Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4، شمارہ:2، 2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

اردو نثری نظم میں عالمگیریت

Universality in Urdu Prose Poetry

Sonia Jabeen
PhD Scholar, Department of Urdu ,
Division of islamic and Oriental Learning
University of Education, Lower Mall
Campus, Lahore

سونیا جبین
پی ایچ-ڈی اسکالر، شعبہ اردو ڈویژن آف اسلامک اینڈ اورئینٹل لرننگ یونی ورسٹی
آف ایجوکیشن لوئر مال کیمپس، لاہور

Abstract

Urdu prose poetry emerged in the 20th century as a distinctive literary form that departed from traditional poetic structures, offering a medium to express inner states, intellectual depth, and the complex experiences of modern humanity. Within this genre, the influence of globalization is evident not only in thematic concerns but also in style, thought, and modes of expression. Poets of prose in Urdu have incorporated global intellectual trends such as existentialism, isolation, materialism and the issues of war and peace. Into their personal and cultural contexts thereby connecting Urdu literature with broader international dialogues. This study highlights various aspects of globalization as reflected in Urdu prose poetry, through analytical exploration it examines how poets have blended local tradition with global thought to craft a new literary narrative the works of poets like Masood Qamar, Yasin Affaqi, Naseer Ahmad Nasir, Rafia Waheed, Kosar Jamal, Azra Abbas, Anwar Son Roy ad many others illustrate this trend trough their engagement with universal themes adoption of western philosophical influences and experimentation with innovative linguistic and stylistic techniques. This research position Urdu prose poetry as part of a global literary movement, capable of engaging in dialogue on issues that transcend, linguistic and cultural boundaries. This prose poetry not only represents the consciousness of its own million but also reflects a global literary sensibility contributing meaning fully to the discourse on shared human experiences.

Keywords: *Rafia Waheed, Naseer Ahmad Nasir, Prose Poetry, Univesality, Absurdity,Loneliness,Uniculture*

کلیدی الفاظ: رافعہ وحید، نصیر احمد ناصر، نثری نظم، عالمگیریت، لایعنیت، تنہائی، یکساں کلچر

نثری نظم اردو شاعری کی ایک اہم صنف ہے- یہ ایک ایسی صنف سخن ہے جو اوزان و بحور کے مروجہ نظام کی پیروی نہیں کرتی اور اس میں کسی شاعرانہ احساس یا خیال کو نثر میں بیان کیا جاتا ہے- اس میں بنیادی اہمیت نثری مواد کو حاصل ہوتی ہے دور حاضر میں اس صنفِ سخن کو تیزی سے فروغ ملا ہے- اس صنف میں سماج, زندگی, اور کائنات کے ہر قسم کے افکار و احساسات کو موضوع بنایا گیا ہے "عالم گیریت" بھی ایک ایسا وسیع موضوع ہے جسے اردو کی نثری نظم میں مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے "عالم گیریت" کو انگریزی زبان میں Globalization "کہا جاتا ہے- لغوی طور پر اس سے مراد علاقائی اور مقامی مظاہر کو عالمگیر بنانے کا عمل ہے اس کی ایک تعریف یہ ہے کہ یہ مختلف ممالک کے درمیان معاشی تعلقات کا وہ پھیلاؤ ہے جس کے نتیجے میں ایک عالمی معیشت تخلیق ہوئی ہے- اس کی وجہ سے ریاستوں کے درمیان ابلاغ اور رابطہ اتنے مؤثر انداز میں ہوا ہے کہ دنیا ایک عالمی گاؤں Global Village بن گئی ہے اس نے ریاستوں کی صرف معیشت کو متاثر نہیں کیا بلکہ سیاست معاشرت

ثقافت پر بھی اثرات مرتب کیے ہیں اس مقالے میں عالم گیریت کے سیاسی سماجی معاشی اور ثقافتی اثرات کا اردو نثری نظم میں جائزہ لیا جائے گا اور نثری نظم کے آئینے میں جدید دور کے بدلتے ہوئے عالمی تناظر کی تفہیم کی کوشش کی جائے گی۔

رافعہ وحید کے شعری مجموعے "سچ ادھورا ہے ابھی" میں چند نظمیں ایسی ہیں جن میں عالمگیری عناصر موجود ہیں تلاش اور دریافت ان کی نظموں کے بنیادی استعارے ہیں عالمگیریت کا ایک اہم پہلو ثقافتی اور سماجی ہے عالمگیریت کا سماجی پہلو نہایت وسعت کا حامل ہے سماج میں رہتے ہوئے انسان کن کن مسائل کا شکار ہے اور عالمی منظر نامے نے انسان کو کن محرومیوں میں مبتلا کیا ہے ان سب کا ذکر وہ اپنی نظموں میں کرتی ہیں جن میں ازل سے انسان کو لاحق مسائل کے ساتھ ساتھ عالمی طور پر انسان کو درپیش مسائل کا ذکر بھی کرتی ہیں موجودہ دور میں اگرچہ انسان نے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی ہے اس کے باوجود انسان ازل سے محرومیوں کا شکار ہے یہ رویہ کسی مخصوص خطے کے لوگوں میں ہی نہیں بلکہ عالمی طور پر انسان محرومیوں کا شکار ہے مثال کے طور پر اپنی نظم "خوابوں کی داستان" میں لکھتی ہیں:

"ہمارے خوابوں کی داستان شاید ازل سے بھی پرانی ہے/کہ انسان کی چاہت
روشنی کے سارے خواب/تاریکی کی عنایت ہیں
جن کو لوگ محض تیرگی ہی میں دیکھتے ہیں میں چاہتے ہیں/جشن کی روشنی میں تاریک لمحوں کی ساری ریاضتیں
بھول جاتے ہیں/اور پھر خواب زدہ زخمی رستی انکھیں لے کر سب کے ہمراہ مسکراتے ہیں"(۱)

انسان اس کی محرومی کی وجہ کسی حد تک عالمگیر جنگیں ہیں چونکہ عالمگیریت کے پھلنے پھولنے میں جنگوں کا کردار اہم ہے جنگوں کی تباہ کاریوں سے شہر تباہ کیے جاتے ہیں انسانوں کی نسل کشی کی جاتی ہے اور پھر ان کو نئی معاشرت کے ساتھ بسایا جاتا ہے ان سب میں عالمی طاقتوں کا عمل دخل ہوتا ہے انہی وجوہات کی بنا پر انسان کئی محرومیوں کا شکار ہو جاتا ہے جن میں انسان کا تنہائی پسند ہو جانا اپنی ذات کے حوالے سے تشکیک کا شکار ہونا لازم ہے رافعہ وحید کی نظم "شاید وہ دن بھی ہو" میں انسان کی تنہائی پسندی کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اس میں شاعرہ کا انداز رجائیت پسندی کا ہے اور وہ اچھے دنوں کی امید کرتی ہے نظم کے پہلے بند میں ان کا انداز مایوسی کا شکار ہے پہلے بند میں وہ لکھتی ہیں:

"سنو روشن جہاں کے مکین! ایک دن تھا کہ جب/سر پہ سورج تھا نہ زمین پہ نرمی کا کوئی احساس تھا
اور ہم اندھیروں کے مسافر! تاریک راہوں میں جابجا ٹھوکریں کھا رہے تھے/منزل بھی نہ تھی اور منزل کو جانے کا راستہ ڈھونڈتے تھے
تو تم نے روشن جہاں کے باسی نے فصیل شہر ویراں کی طرف دیکھ کر تاریکیوں پہ مسکراتی سی ایک نگاہ کی تھی اور وہ اندھیرے سب کے سب مٹ گئے تھے"(۲)

اسی نظم کے اگلے بند میں شاعرہ کا انداز رجائیت سے بھرپور نظر اتا ہے اور تاریکی کو روشنی سے تبدیل کرنے کے متعلق ذکر کرتی ہیں اور اخری بند میں وہ اچھے دنوں کی امید پہ نظم کا اختتام کرتی ہیں ان اچھے دنوں سے مراد ترقی پذیر ممالک کے اچھے دن ہیں جن کو عالمی طاقتوں نے مختلف حربوں اور شکنجوں کے ذریعے جکڑ رکھا ہے لیکن اس ملک کے عام عوام ترقی کے خواب اور اچھے دنوں کی امید کا سہارا لے کر مشکل وقت سے گزرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ یہ کسی ایک انسان کا خواب بھی ہو سکتا ہے جو اپنی منزل کو پانا چاہتا ہے لیکن راستے میں حائل مشکلات اس کے حوصلے پست کرتی ہیں لیکن پھر ان سب کے باوجود وہ خود کو حوصلہ دیتا ہے اور ایسے حالات سے نکلنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے:

"منزل۔۔۔۔۔۔۔۔۔/جہاں پہ ہمیں تم ملو

مسکرا کر کہو۔۔۔۔۔۔/مبارک تمہیں۔۔۔۔یہ پہلا قدم
شاید وہ دن بھی ہو"(۳)

اس نظم میں انسان کی خوشیاں اور اس کی نار اسائیاں اپنی اصل صورت میں نظر اتی ہیں وہ زندگی کو جس زاویے سے دیکھتی ہیں اسے زندگی کے تئیں مثبت رویے کا نام دیا جاتا ہے لیکن زمانے کی بے حسی کے سبب انسان کے رویوں میں جو تبدیلی ائی ہے وہ اسے بھی محسوس کرتی ہیں اپنی نظم "ناپرساں شہر" میں وہ اسی رویے کا ذکر کرتی ہیں کہ ترقی کے اس دور میں انسان جتنا جدت پسند ہو گیا ہے اتنا ہی بے حس بھی ہو تا چلا جارہا ہے جس کے سبب کسی کو کسی سے کوئی غرض نہیں وہ لکھتی ہیں:

"اس بولتے ہوئے شہر میں/میرا غم کون کب سنے
میرے شہر کے سارے لوگ تو خود اپنے ارادوں/اپنی ناقدری کی داستان بیاں کرتے
اس زمانے کی اگہی کے جرم سناتے!لوگوں کی جہالت کے غم مناتے بولتے مسکراتے جارہے ہیں
میرا غم کون کب سنے کہ سبھی کو اپنا غم سنانا ہے ابھی
راستوں میں ٹھوکریں کھاتے/قدموں کے زخموں کے قصے/حکایت زندگی رقم کرتے
خونچکاں ہاتھوں کی داستانیں/سبھی کو سنانی ہے ابھی
میرا غم کون کب سنے؟(۴)

اس نظم میں اس سوالیہ انداز کے ساتھ ساتھ طنزیہ انداز اختیار کرتے ہوئے مخاطب ہوتی کہ ہیں کہ انسان نے ترقی کی اس دوڑ میں بے حسی کا دامن پکڑ لیا ہے اپنی سماجی اقدار کو پس پشت ڈال کر ہر جائز و ناجائز طریقے سے سرمایہ حاصل کرنے کی کوشش میں مبتلا ہو گیا ہے عالمگیریت کی بڑی دین انسان کا ذہنی طور پر منتشر ہونا ہے یا اسے ذہنی انتشار کا نام بھی دیا جاسکتا ہے انسان کی زندگی کئی حصوں میں منقسم ہو گئی ہے اور وہ بٹ کر جینے کا عادی ہو گیا ہے جس کی بدولت کسی ایک شے پر توجہ مرکوز رکھنا ایک مشکل عمل ہے اسی ذہنی انتشار کی بدولت انسان زندگی میں کسی بھی لمحے کو بھرپور انداز میں نہیں جیتا غم اور خوشی دونوں موقعوں پر ہی محرومی کا شکار نظر اتا ہے وہ اپنی نظم "کیا ہم غم پرست ہیں"؟ میں اسی رویے کا ذکر کرتی ہوں:

"ہم جو اپنے ہی تشنہ خوابوں، حسرت زدہ چہروں کی پرستش میں ڈوبے رہنے کے عادی ہوئے ہیں
اور خوشیوں کو پانے سے قبل ہی ان کی محرومیوں کے غموں میں بھیگتے ہیں"(۵)

انسان کی زندگی میں ذہنی انتشار کی بدولت ارتکاز توجہ بھی انتشار کا شکار ہے انسان ہر چیز میسر ہونے کے باوجود بھی غمگین ہے جس کی وجہ سے شاعرہ سوال کرتی ہیں کہ کیا ہم غم پرست ہیں۔

عصر حاضر میں انسان کی سب سے بڑی بے بسی اس کی تنہائی ہے یہ تنہائی کا شکار انسان عالمی سطح پر دیکھنے کو ملتا ہے اسی تنہائی کے نتیجے میں موجودہ دور میں انسان لایعنیت کا شکار ہے لایعنیت جدید نثری نظم میں مرکزی رجحان کی حیثیت سے موجود ہے مسعود قمر کی بہت ساری نظمیں اسی مرکزی رجحان کی حامل ہیں اپنی ذات کے بارے میں تجرید,لایعنیت اور ابہام ان کی بہت ساری نظموں میں موجود ہے مثلا ان کی نظم "فضاؤں میں لکھا گیا پوسٹل ایڈریس" اور "سکوں کے بغیر پینسلیں" میں اسی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے:

"میں نے اسے وہاں وہاں ڈھونڈا/جہاں جہاں اس نے نہیں ہونا تھا

میں بھی اب کہیں نہیں ہوں/میں نے خود کو وہاں وہاں ڈھونڈا
جہاں جہاں میں نے نہیں ہونا تھا(۶)

اس کے علاوہ ان کی اور بھی بہت ساری نظموں میں انسان کی اسی تنہائی کا ذکر کیا گیا ہے مثلا ان کی نظمیں "تنہائی کا قحط" موت کی تنہائی "تنہائی کا کورس" اکلاپے سے محروم شخص کا اوپیرا" وقت بہت کم ہے" مستقبل میں اکیلا ہو جانے والا ادمی "تنہائی کا موٹاپہ" ان تمام نظموں میں انسان کی اس محرومیوں کا ذکر کرتے ہیں جو تنہائی کے سبب پیدا ہوئی ہیں اس کی کئی وجوہات ہیں جس نے مل کر انسان کو اس نہج پر لا کھڑا کیا ہے مسئلہ اس میں موبائل فون اور سائبر ورڈ کیبل، انٹرنیٹ، ٹی وی وغیرہ شامل ہیں اج کا دور کمپیوٹر کا دور ہے جس میں انسان اس حد تک ہو گیا ہے کہ ساتھ بیٹھے ہوئے انسان کی بھی خبر ہی نہیں موبائل چلاتے ہوئے ہاتھوں کی تیزی نے انسان میں بے حسی کے جذبات پیدا کر دیے ہیں ہم روزانہ کی بنیادوں پر معاشرے میں ہونے والے دلسوز واقعات دیکھتے ہیں اور ان کو معمول کی باتیں اور معمول کے واقعات سمجھتے ہوئے پورا پورا دن سکرولنگ کرتے نظر اتے ہیں جس نے ہمارے جذبات و احساسات کو بہت حد تک متاثر کیا ہے مثلا مسعود قمر اپنی نظم تنہائی کا قحط "میں اس جذبے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"میں/بھوکا رہنے کے لیے
قرض پہ قرض لیے جارہا ہوں/ہر روز بازار جاتا ہوں
ہر روز ناکام لوٹتا ہوں/اچھی کوالٹی کی تنہائی کسی دکان میں میسر نہیں
دماغ میں بے ہنگم ٹریفک ہے/میں نے حادثے سے بچاؤ کے
سارے سگنل توڑ دیے ہیں/مگر
کوئی حادثہ رونما نہیں ہوتا/میں
اتنا ڈرپوک ہوں/30 سال سے ایک ہی عورت سے محبت کیے جارہا ہوں
میں یہ سب کچھ نہ کرتا/اگر۔۔۔۔۔۔۔۔مجھ تنہا شخص کے پاس
کوئی اچھی کوالٹی کی تنہائی ہوتی(۷)

زندگی کی اس تنہائی نے انسان کو موت کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے مسعود قمر نے زندگی کی تنہائی کو کاہل ادمی کی مصروفیت کا سبب قرار دے دیا ہے۔

اپنی نظم "تنہائی کا موٹاپہ میں وہ جدید دور کی پیداوار ایپس کو طنز کا نشانہ بناتے ہوئے ان جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"میں/تنہائی کے موٹاپے پہ
قابو پانے کے لیے/دن رات فیس بک پہ
ایکسر سائز کرتا رہتا ہوں/میں
کئی بار موت کے قریب سے گزرا/کئی بار
زندگی میرے قریب سے گزری/جانے کب میری پروفائل کا فور ہو جائے
میں چاہتا ہوں تم مجھے/اپنے دل کی ہارڈ ڈسک میں محفوظ کر لو(۸)

کمپیوٹر کے اس جدید دور نے بڑی تیزی سے اس معاشرے میں اپنی جگہ بنائی ہے اور نئی نسل کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے جس کی ایک صورت جنریشن گیپ کی صورت میں ابھری ہے۔

سائنس کی بے پناہ ترقی مشینی دور اور مشینی تہذیب پیدا ہو گئی ہے جسے ایک طرف سہولیات کی فراہمی کے باعث موثر اور کارامد قرار دیا جا سکتا ہے مگر دوسری جانب انسان کے تحفظ اور بقا کا سوال بھی کھڑا ہو گیا ہے ڈاکٹر سمیرا اکبر اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> "اس مشینی تہذیب کی بڑی خامی یہ ہے کہ انسان مشینوں کا غلام اور دوسرے انسان کے لیے اجنبی بن گیا ہے انسانی رشتوں کی کڑیاں منتشر ہو گئی ہیں اس سورت کو بیگانگی کہتے ہیں بیگانگی کی اصطلاح موجودہ ترقی یافتہ دور کی دین ہے جس میں مشینوں کی حکومت نے اور سائنس کی ترقی کی وجہ سے ملنے والی اسائشوں نے انسان کو ایک دوسرے سے بہت دور کر دیا ہے انسان ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہوئے بھی دور ہیں اور ہجوم میں بھی تنہا ہے اس کے پاس اپنے لیے بھی وقت نہیں ہے یہ صورتحال تنہائی کو جنم دیتی ہے اس دور کا انسان تمام نام نہاد خوشیوں کے باوجود تنہائی کا شکار ہے تنہائی کا یہ احساس مسعود قمر کے ہاں بھی بہت گہرا ہے"(۹)

تنہائی کے علاوہ مسعود قمر کی نظموں میں وجودی فلسفے کا بیان بھی ملتا ہے وجودیت جو کہ فلسفیانہ سطح پر انسانی وجود کے سوال کا جواب تلاش کرنے کی جستجو ہے انسان کے وجود کے متعلق مختلف اوقات میں مختلف فلسفیوں نے سوالات اٹھائے ہیں اور ان کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی گئی مسعود قمر کی نظمیں ساحل پہ پڑا گیلا لباس "چٹخورے باز، پیدائش سے پہلے لکھا گیا گیت، قبر کی موت:

تلاش ذات، یہ سب نظم وجود فلسفے سے متاثر نظر آتی ہیں/"وہ جو موت لکھوا کر اتے ہیں
ساری زندگی/موت کو چھونے کی جدوجہد میں
لگے رہتے ہیں/ہم
موت سے پوچھے بغیر پیدا ہوئے(۱۰)
"پیدائش/صرف موت کا ذائقہ چکھنے کے لیے ایجاد ہوئی
ہم چٹخورے باز ہو گئے/اور پیدا ہونا بھول گئے
ہمیں موت کا اتنا چٹخارا لگ گیا/کہ
ہم پیدا ہوئے بغیر ہی مرنے لگے(۱۱)

ان تمام نظموں میں موجود فلسفہ جو کہ عالمی اہمیت کے موضوعات کا حامل موضوع ہے اسی فلسفے کو ان نظموں میں بیان کیا گیا ہے مسعود قمر کی بہت ساری نظمیں وجودی فلسفے سے متاثر نظر آتی ہیں۔ بقول ڈاکٹر سمیرا اکبر:

> "مسعود قمر کی نظمیں وجودی فلسفے سے متاثر نظر آتی ہیں وجودیت فلسفیانہ سطح پر انسانی وجود کے سوال کا جواب تلاش کرنے کی جستجو ہے اس نظریہ میں انسان کا انفرادی وجود اہمیت رکھتا ہے وجودی مفکرین انسانی وجود کی اہمیت اور عظمت کا احساس جگانے کے لیے فرد کی ازادی کو اولین شرط قرار دیتے ہیں یوں ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے انتخاب کی اس ازادی اور ذمہ داری سے فرد ذہنی اضطراب کا شکار ہو گیا ہے اس ازادی انتخاب کے باوجود فرد اپنے

انجام کو نہیں جانتا اس کا عمل زمان و مکان کے دائرے میں مقید ہے اس لیے وجودی ادیبوں کی تحریروں میں لایعنیت کے مظاہر جابجا ملتے ہیں۔"(۱۲)

مسعود قمر کی نظموں میں لایعنی کیفیات کا اظہار بھی ملتا ہے یہ سب موضوعات عالمگیری اہمیت کے حامل ہیں چونکہ کسی ایک قوم ایک خطے کے لوگ اس کیفیت سے دوچار نہیں ہیں بلکہ انسان عالمی سطح پر اس کیفیت کا شکار دکھائی دیتے ہیں افراد اپنی ذات کے حوالے سے تشکیک کا شکار ہیں وجودیاتی فلاسفہ میں جابجا اس لایعنیت کے مظاہر ملتے ہیں جس میں افراد خوشی اور غمی میں جذبات کا اظہار سے عاری ہو جاتے ہیں گہما گہمی کے اس دور میں انسان میں اطمینان کا جذبہ مفقود ہو گیا ہے غفلت کی بھول بھلائیوں میں سرگرداں شخص زیادہ کی طلب میں ہے ہر شخص کے لیے اس کی حاصل کردہ شے اب وجہ اطمینان نہیں رہتی انسان اضطراب کا شکار ہے زیادہ سہولتوں نے انسان میں زیادہ حرص اور ہوس پیدا کر دی ہے جس کی بدولت طمانیت کا جذبہ انسانوں میں مفقود ہوتا جا رہا ہے۔

اسی لایعنیت کے نتیجے میں انسان کو تباہی اور موت کا سامنا ہے موت کی الم ناکی وجودیت کا ایک نمایاں موضوع ہے بلکہ وجودیت کے عناصر ترکیبی میں سے ہے اس کے علاوہ مسعود قمر اپنی نظموں میں ظلم و استحصال کے خلاف اواز بلند کرتے ہیں اور عصر حاضر کی سچائیوں کو اپنی نظموں میں سموتے ہیں مثلا "مسنگ پرسن کی بیٹی سے گفتگو "اچھی کوالٹی کے کوئلے ،شہر کی لڑکیاں کس کونے میں ہیں ،ماں جیسی ریاست ،انصاف نامی قبرستان کہ ایک مجرم کی قبر ،برف کے اندر پڑی نظم کی گرمائش "ان تمام نظموں میں مسعود قمر عالمی ظلم و استحصال کے خلاف اواز بلند کی اور اس کو گہرے طنز کا نشانہ بنایا ہے مثلا اپنی نظم اچھی کوالٹی کے کوئلے میں ریاستی جبر و استحصال کو یوں بیان کرتے ہیں:

"یہ کوئلے/ان لوگوں کے جلنے سے بنے ہیں
جنہوں نے اپنے پسند کی شادیاں کیں/اور
ریاستی مذہب کو/سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا(۱۳)

اہل اقتدار کی نااہلیوں ہوس ریشہ دوانیوں کو اپنے مفاد عامہ پر ترجیح دینا ان تمام باتوں کو وہ تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

ریاست انسانوں پر جبر و تشدد کرے تو اس صورت میں انقلاب اتے ہیں یہ استحصال بہت سارے ممالک میں قوموں کے ساتھ کیا جا رہا ہے بعض ممالک میں تو انسان بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم ہو گئے ہیں اور بنیادی ضروریات زندگی بھی میسر نہیں اسی ظلم اور تشدد کے خلاف مزاحمت بھی ان کی نظموں میں نمایاں ہے۔

زندگی کی حقیقتوں کا بیان اور ترقی پسندانہ خیالات کا اظہار بھی ان کی نظموں میں پایا جاتا ہے ان کی نظم حقیقت کی بے رحم عکاس ہیں ظالم حکمرانوں کے ساتھ ساتھ انسانوں کی بے حسی کو بھی نظموں کے پیرائے میں ڈھالا ہے ان کی ان نظموں نے اطراف میں پھیلی ہوئی حقیقتوں کو کامیابی کے ساتھ نظموں کا پیرہن عطا کیا ہے:

"جہاز چیختے ہیں/اور
دنیا کانوں پر ایم پی تھری لگائے محو رقص ہے/کوڑا کرکٹ پر گدھ بچوں کو نوچ رہے ہیں
مگر/کمپنیاں صاف ستھرے گوشت کو
بیک ٹو میں محفوظ کرنے کے نئے نئے/طریقے سوچ رہے ہیں"(۱۴)

مختلف ممالک میں ہونے والے انسانوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کو عالمی سطح پر روک تھام کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی جس سے انسانوں پر ظلم وجبر کی داستانیں بنتی ہیں اس عالمی بے حسی کو مختلف ممالک کے مختلف شعراء نے اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے یہ ایک عالمی مسئلہ ہے بعض ممالک میں دہشت گردی کے واقعات کی روک تھام کے نام پر انسانوں کی نسلیں ختم کی جارہی ہیں جو کہ انسانی رویہ نہیں ہے یہ موضوع نہایت وسعت کا حامل موجود ہے۔ ایسی نظموں کے علاوہ مسعود قمر کی بہت ساری نظمیں محبت امن اور انسان دوستی جیسے جذبوں پر بھی مبنی ہے مثلاً ان کی نظم "محبت کی سرسوں" انہیں جذبات کی نمائندہ نظم ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سے عالمی مسائل کا ذکر بھی ان کی نظموں میں موجود ہے ان کی نظم "محبت کی ریزگاری" میں ان کی نشاندہی کی گئی ہے:

"ہمارے حصہ میں/زمین پہ پھینکی محبتوں کی وہ ریزگاری ائی
جسے لے کر جب ہم/پھولوں اور تابوت والی دکان پر گئے
تو ہم نے خود کو/پھولوں کے بغیر تابوت میں پہلے سے ہی لیٹے پایا
احتجاجی بینرز بے روزگاری کا کارڈ/ان دیکھی فلم اوپیرا تھیٹر کے ٹکٹ
ادھ پیے سگریٹوں کے ٹوٹے ڈچ ارٹسٹوں کی پینٹنگ/گلاسوں میں بچی سرخ وائن
تحفے میں ملے سکاف پہنے/تابوت میں خود کو لیٹے ہوئے پایا
اور پھر ہمارے ہاتھ/محبتوں کی ریزگاری سے بھی خالی ہو گئے(۱۵)

نیر مسعود قمر کی نظموں میں عصر حاضر کا شعور پوری اب وتاب کے ساتھ موجود ہے وہ نظموں میں ایسے مسائل کا بیان بھی کرتے ہیں جو مقامی سطح کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر بھی اہمیت کا حامل ہے۔

نصیر احمد ناصر کی نثری شاعری میں عالمگیری عناصر بہت حد تک موجود ہیں یوں بھی نثری شاعری میں اپنے خیالات کو پیش کرنے کی جو آزادی میسر ہے وہ کسی اور صنف شاعری میں میسر نہیں نثری نظم کی تخلیق کے دوران اپنے احساسات اور خیالات کو اسانی کے ساتھ الفاظ کا جامہ پہنانا بقدر اسان ہے عالمگیریت کی اصطلاح نے نثری شاعروں اور ان کے خیالات کو بھی بہت حد تک متاثر کیا ہے بین الاقوامی سطح پر جن واقعات نے شاعری کو متاثر کیا ہر ملک کے شاعر نے ان خیالات وواقعات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے بعض واقعات اس طرح کے رونما ہوئے جس نے افراد کو ذاتی طور پر متاثر کیا لیکن چونکہ شاعر کی ذات صرف اس حد تک محدود نہیں ہوتی وہ جب اپنے اوپر گزرنے والے واقعات و تاثرات کو شاعری میں بیان کرتا ہے تو وہ اس خطے کے تمام افراد کے جذبات کی عکاسی کرتا ہے موجودہ دور میں مشینی زندگی نے انسان کو تنہائی کا شکار بنادیا ہے موجودہ دور جسے post machine age بھی کہا جاتا ہے اس دور میں ہر انسان اتنا مصروف ہے کہ زندگی کی اس بھاگ دوڑ میں اور اسائشوں کو حاصل کرنے کی خاطر انسان تنہائی کا شکار ہو گیا ہے انسان کے اندر ایک خلا پیدا ہو گیا ہے جس کو بھرنا بہت مشکل ہو گیا ہے نصیر احمد ناصر نے بھی اپنی اکثر نظموں میں اسی تنہائی کا ذکر کیا ہے ان کی نظمیں جن میں پانچواں مفرد، ایک تصویر ذا نظم کا ایکسپیکٹر و گرام، میں نے شاعری کی انتہا دیکھ لی تھی، تب تک یاد فراموش کھیلو گے، گوشہ تنہائی، گفٹ پیپر میں لپٹی چیزیں، فلیقہ، کوئی تیز نیلا بہاؤ مجھے کاٹتا ہے، کہیں ایک راستہ ملے گا کباڑ، ان تمام نظموں میں اسی تنہائی کو وہ بیان کرتے ہیں مثال کے طور پر وہ نظم "گوشہ تنہائی" میں اس تنہائی کو یوں بیان کرتے ہیں:

"گوشہ تنہائی/میں جاؤں گا وہاں
جہاں کائنات کی/ساری دشائیں مل کر

ایک انوکھی زاویہ نما/نک Nook بناتی ہیں
اور کچھ دیر بیٹھوں گا/خاموشی سے۔۔۔۔(۱۶)

بیسویں اور اکیسویں صدی میں سائنس انسان اور ادب اور آرٹ میں جو بات غور طلب ہے موجودہ دور میں ربوٹ اور ارٹیفیشل انٹیلیجنس نے کسی حد تک ترقی کر لی ہے اور انسان کی جگہ اب آہستہ آہستہ یہ روبوٹ لیتے جا رہے ہیں جس سے انسان سستی اور کاہلی کے ساتھ ساتھ ذات کی تنہائی کا بھی شکار ہے افرادی قوت کو آنے والے دور میں کم کر کے روبوٹ سے کام لیا جائے گا بلکہ ایک اندازے کے مطابق 2050 کو روبوٹس کی ترقی کا سال قرار دیا گیا ہے جس میں نہ صرف گھریلو زندگی میں یہ کام آئیں گے بلکہ عسکری اور فوجی سطح پر بھی ان سے کام لیا جائے گا جس سے انسان کو اپنی کم بکتی کا احساس بھی تیز تر ہو جائے گا اور یہ تنہائی مزید گمبھیر شکل اختیار کر لے گی نصیر احمد ناصر نے اس تنہائی کی شدت کو بیان کیا ہے جو آنے والے چند سالوں میں انسان کو درپیش ہو گی مثلاً "کب تک یاد فراموش کھیلو گے" نظم میں وہ اس تنہائی کی شدت کو اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

"دوستو!/اب میرے پاس بچا ہی کیا ہے
ایک خواب اور تھوڑی سی تنہائی/تم وہ بھی چھین لینا چاہتے ہو
تمہارے روز و شب/مجھے شکست خوردہ دیکھنے کی حسرت میں گزر رہے ہیں
تمہارے جذبے نمائشی/اور الفاظ کھوکھلے ہو چکے
افسوس کہ تم نہیں جانتے/خود فریبی کا کوئی انت نہیں ہوتا
یہ جہاں سے شروع ہوتی ہے/وہیں پر ختم ہو جاتی ہے
میں نے اپنے ایک خواب اور تھوڑی سی تنہائی کے ساتھ زندہ رہنا سیکھ لیا ہے(۱۷)

زندگی کا کھوکھلا پن اور افراد کا خود فریبی میں مبتلا ہو جانا تنہائی کی شدت کو بیان کرتا ہے جو اسے لاحق ہے اور مزید تنہائی کا شکار کر رہی ہے۔ آسائشوں کی فراوانی اور وسائل کی کمی نے انسان کو ایسی دوڑ میں شامل کر دیا ہے کہ اس کے پاس دوسروں کے لیے تو دور خود اپنے لیے وقت بھی نہیں ان حالات میں انسان کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جو مسائل اسے درپیش ہیں ان کا حل کسی کے پاس نہیں اور وہ تن تنہا ان کو حل کرنے میں مصروف ہیں خواہشات کا لامتناہی سلسلہ انسان کو بعض سطح پر احساس کمتری کا شکار بھی بنا رہا ہے:

نظم "کوئی تیز نیلا بہاؤ مجھے کاٹتا ہے"/"میں اپنے کناروں پر لبریز اتنا ہوں
انکھیں چھلکنے کو بس ایک جھلک مانگتی ہیں/جھلک ایک غم کی
جسے میں نے پہلے، کبھی پہلے دیکھا نہ ہو/غم کا چہرہ مگر کس نے دیکھا بجز میرے
خوابوں کے چلنے کی اواز بھی درد امیز راتوں کے گاڑھے اندھیرے میں/میرے علاوہ کسی کو سنائی نہیں دی
میں تنہا ہی روتا ہوں(۱۸)

دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے بھی کسی حد تک انسان کو اس احساس کمتری اور تنہائی پسندی پر مائل کیا ہے عالمی ادارے اس غیر انصافی پر خاموش سامعین بنے ہوئے ہیں انصاف کی فراہمی انسان کی پہلی اور بنیادی ضرورت ہے اور بنیادی حق بھی ہے لیکن انسان کو اس سے محروم کر دیا گیا ہے

جس سے وہ مایوسی کا شکار ہے اقوام عالم میں اس طرح کے خیالات کو شاعروں نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے نصیر احمد ناصر نے بہت ساری نظموں میں اس غیر منصفی رویے پر تنقید کی ہے اپنی نظم "عدالت کو کیا معلوم" میں لکھتے ہیں:

"یہاں زندہ رہنے کی خواہش ایسی ہے/جیسے بے پر کی تتلی
اور موت کا پروانہ لینے کے لیے بھی/عدالت میں جانا پڑتا ہے
جو اپنے فیصلے کی بنیاد/گواہوں اور بیانات پر رکھتی ہے
عدالت کو کیا معلوم/کہ خداد کھی لوگوں کی گواہی دینے
کبھی کبھی خود کٹہرے میں آجاتا ہے(۱۹)

اپنی اکثر نظموں میں وہ اس اداسی کو بھی بیان کرتے ہیں جو نظموں کی بیرونی سطح پر ساتھ ساتھ چلتی محسوس کی جاسکتی ہے یہ دکھ ان کی ذات کا دکھ ہی نہیں بلکہ ان تمام انسانوں کا دکھ اور اداسی ہے جو اس دور میں زندہ ہے وہ اس اداسی اور دکھ میں فرق کو واضح کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ دکھ اور اداسی میں فرق بہت ہلکا ہے اپنی نظم کا عنوان بھی وہ یہی رکھتے ہیں "اداسی اور دکھ میں خفیف سا فرق ہے" اپنی مختصر نظم میں ان کے درمیان فرق کو یوں بیان کرتے ہیں:

"ساحلوں پر رہ جانے والی/اداسی عظیم ہے
اور سمندروں میں اترنے والے دکھ/عظیم تر(۲۰)

اس نظم کے علاوہ اور بھی بہت ساری نظموں میں دکھ اور اداسی کو موضوع بحث بناتے ہیں مثلا میں اندھیرے میں اگی مشروم ہوں "،برزخ ،دھندلے خوابوں کا دکھ،ایسی نظمیں ہیں جن میں دکھ کی کئی صورتوں کو واضح کرتے ہیں عالمی موضوعات میں سے ایک موضوع عالمی سطح پر عالم اداروں کا تیل کے ذخائر پر قابض ہونا بھی شامل ہے نصیر احمد ناصر بھی اس پر تنقیدی خیالات کا اظہار کے لیے اس موضوع کو اپنی نظموں میں بیان کرتے ہیں مثلا نظم "مفرور" میں وہ اس طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

"مجھے نکل جانے دو/ان جزیروں کی طرف
جہاں کبھی وحشی قبائل اباد تھے/مگر اب تیل تلاش کرنے والے اداروں کی رہائش گاہیں ہیں
وہاں پام کے گھنے درخت/طلوع افتاب تک مجھے چھپائے رکھیں گے(۲۱)

روس نے سینکڑوں زیر زمین ذخائر پر قبضہ کیا ہے۔روس کی وجہ سے یوکرین بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق یوکرین تیل، گیس، کوئلہ ،نمک ،لوہا اور ٹائٹینیم، سونا، یورینیم، گرینائٹ اور لتھیم تک رسائی کھو رہا ہے یہ ایک ایسا موضوع ہے جسے ایشیائی ممالک کے تقریبا ہر شاعر نے محسوس کیا اور اسے شاعری میں موضوع بنایا تاکہ عالمی اداروں کی توجہ اس طرف مبذول کروائی جاسکے کیونکہ اس موضوع کا تعلق مشترک اور بڑے عالمی موضوع سے ہے۔

نصیر احمد ناصر نے اپنی بہت ساری نظموں میں بدلتے ہوئے عالمی منظر نامے کو بیان کیا ہے بدلتے ہوئے حالات جس میں انسان کی زندگی رہن سہن طرز رہائش لباس کھانے پینے کی اشیاء میں فاسٹ فوڈ کا رجحان جو کہ تیزی سے بڑھ رہا ہے اور اس کی بڑھتی ہوئی مانگ یہی فاسٹ فوڈ اب زیادہ پر کشش اور منافع بخش بنتا جارہا ہے اس لیے اس طرح کے کھانے پینے کی اشیا عام ہو رہی ہیں اور ان کا رجحان بڑھتا جارہا ہے انسان نے اپنی طرز زندگی کو جدید دنیا کے تقاضے کے مطابق لانے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا ہے اسی رحمت ناصر نے اس بدلتے منظر نامے کو نئے "ورلڈ ارڈر" کے

نام سے معصوم کیا ہے ان کی نظم "کتابوں میں زندگی تلاش کرنا بے سود ہے" پر یہ پوری نظم اس بدلتے منظر نامے کی بھرپور عکاسی کرتی ہے جس میں تمام عالم اقوام ایک ہی یک نقاتی ایجنڈے پر متفق ہو جاتی ہیں اس نظم کے مختلف حصے مختلف نکات بیان کرتے ہیں مثلاً پہلا حصہ میں وہ کتابوں کی کم ہوتی اہمیت پر تنقید کرتے ہیں اور اسے کاروباری لوگوں کے لیے صرف منافع بخش کاروبار سمجھنے پر کرتے ہیں نظم کے اگلے حصے میں وہ نئے ورلڈ ارڈر کا ذکر اس طرح سے کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

"کتابوں میں آباد رہتے ہیں/قہبہ خانے اور مطبخ اور شیشہ کیفے اور ناچ گھر
نرتکیاں اور ناریاں رقص کرتی ہیں/اور پہرے دار گشت کرتے ہیں
کتابوں کے صفحات میں/تہذیب عروج وزوال سے ہمکنار ہوتی رہتی ہیں
اور متن سے باہر حاشیوں میں/ایک نیاورڈ ارڈر جنم لیتا ہے
اور کسی بحث اور اندراج کے بغیر/اقوام عالم ایک نئے یکنکاتی ایجنڈے پر متفق ہو جاتی ہیں"(۲۲)

یکساتہذیب وثقافت جسے یونی کلچر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے نظم "قریب شب" میں اسی بات کا ذکر کرتے ہیں

"رات قریب ہے/اور ابھی ادھادن بھی نہیں گزرا
ادھی بالکنی پر/دھوپ ہے
اور ادھی کھڑکی/چھاؤں سے ڈھکی ہوئی ہے
رات قریب ہے/اور ابھی ادھاخواب بھی تیار نہیں ہوا
لاکے پوری دنیا کے لوگ/جتے ہوئے ہیں کام میں
اور بن رہے ہیں/اپنی اپنی انکھوں میں
ایک جیسے خواب(۲۳)

تیسرے قدم کا خمیازہ میں نصیر احمد ناصر کی نظم غت رابود میں سارے کے سارے اس منظر کو پیش کیا گیا ہے جس کی بنیاد یکساں تہذیب کے نام سے رکھی گئی ہے زمانہ قدیم مختلف تہذیبوں میں جو روایات تھیں جو ان کی پہچان تھی اور اس خطے کے لوگوں کو باقی خطوں سے مختلف بناتی تھی اہستہ اہستہ روایات اور تہذیب دم توڑ رہی ہیں عالمگیریت نے مرکزیت کو بہت متاثر کیا ہے عام پر نہ چاہتے ہوئے بھی عالمگیر شہریت کا حامل ہے:

پگڈنڈیاں/شاہراہوں میں بدل گئی ہیں
اور ڈھوکیں/شہروں میں مدغم ہو کر
ابادی کا ملغوبہ بن چکی ہیں/دولت کی پھولاہٹ
اور مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ میں/فتور ہضم کا مارا
خورونوش کا عادی/فاسٹ فوڈ کا دلدادہ ہجوم
یک ساڈکارتا ہے/محبت، جذبوں کی
نیل گوں تھاہ سے نکل کر/لفظوں کے اتھل پن میں شب شپاتی ہے
عمروں کی مسافت طے کرنے کے لیے/کہیں جانے کی ضرورت نہیں

ساری منزلیں ایک بٹن کی دوری پر ہیں/فاصلے ایک چھوٹی سی اسکرین میں سمٹ ائے ہیں
اور راستے/جوگنگ مشین پر
چلے بغیر ختم ہو جاتے ہیں(۲۴)

فاسٹ فوڈ اور کھانے پینے کے بدلتے رواجوں کا ذکر بھی نصیر احمد ناصر کی توجہ کا خصوصی مرکز ہیں اپنی نظم میں وہ کھانے پینے کے رجحان میں جو بدلاؤ ایا ہے جسے عالمی طور پر رواج دیا گیا اور ہر جگہ یکساں طور پر ہی اشیائے خورد و نوش یکساں مرغوب ہیں اپنی نظم "اگر مجھے مرنا پڑا" میں وہ ان تمام چیزوں کا ذکر کرتے ہیں:

"اگر مجھے مرنا پڑا
تو میں مرنے سے انکار نہیں کروں گا/لیکن کوک کا ایک گلاس پینے کی مہلت طلب کروں گا
یہ جانتے ہوئے بھی/کہ اس کی رائلٹی یہودیوں کو جائے گی
کیونکہ میں تخمیری مشروب نہیں پیتا/چاہے وہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے ہی کیوں نہ پیش کیا گیا ہو(۲۵)

انہیں مت بتانا "راک وال" میں گھروں کی ارائشوزی بائش کے لیے درختوں کو کاٹنے کے رجحان کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں ہر دور کے شاعر نے فطرت اور قدرت کے مناظر کو اپنی نظموں میں بیان کیا ہے شاعر چونکہ فطرت اور قدرت کے زیادہ قریب ہوتے ہیں ان درختوں کے کٹنے کو وہ زیادہ شدت سے محسوس کرتے ہیں بدلتے ہوئے ٹرینڈ کی وجہ سے بے دریغ درختوں کو کاٹنا اور ان سے آرائش وزیبائش کرنا عام ہوتا جارہا ہے:

"انہیں مت بتانا میں رویا تھا/کچھ دیر سویا تھا
کھڑکی سے باہر/جسے ایک منظر کی انکھوں میں بویا تھا
میں نے/سڑک کے کنارے کھڑا تھا
ابھی میں نے دیکھا/جو سب سے بڑا تھا
وہی پیڑ کاٹا گیا تھا/کسی گھر کی لابی سجانے
ٹریلر میں لاد کر نا جانے کہاں جارہا تھا(۲۶)

آخر میں یہ کہنا بجا ہو گا کہ اردو نثری نظم نے نہ صرف ادبی اظہار کے نئے در وا کیے بلکہ اسے عالمی فکری دھاروں سے ہم آہنگ بھی کیا۔ عالم گیریت کے اثرات نے اس صنف کو وسعت خیال، تنوع موضوعات اور نئے اسلوب سے مالامال کیا۔ یوں نثری نظم اردو ادب کا ایک ایسا روشن باب بن گئی ہے جو مقامی اور عالمی شعور کے سنگم پر قائم ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ رافعہ حیدر، سچ ادھورا ہے ابھی، لاہور: مکتبہ کامران، ۱۹۹۶ء، ص:۵۱
۲۔ ایضاً، ص:۴۷
۳۔ ایضاً، ص:۵۶
۴۔ ایضاً، ص:۵۷

۵۔ ایضاً، ص:۵۷

۶۔ مسعود قمر، بارش بھرا تھیلا، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء، ص:۱۱۹

۷۔ ایضاً، ص:۵۹-۶۰

۸۔ ایضاً، ص:۲۲۳

۹۔ سمیرا اکبر، وجودیت اور ترقی پسندی کے خمیر سے اٹھا بارش بھرا تھیلا، مشمولہ بارش بھرا تھیلا، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء، ص:-۲۱ ۲۲

۱۰۔ ایضاً، ص:۹۶

۱۱۔ ایضاً، ص:۷۹

۱۲۔ سمیرا اکبر، وجودیت اور ترقی پسندی کے خمیر سے اٹھا بارش بھرا تھیلا، مشمولہ بارش بھرا تھیلا، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء، ص:۲۰

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۶۲

۱۴۔ ایضاً، ص:۵۷

۱۵۔ ایضاً، ص:۸۳

۱۶۔ نصیر احمد ناصر، تیسرے قدم کا خمیازہ، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص:۱۱۰

۱۷۔ ایضاً، ص:۸۳

۱۸۔ ایضاً، ص:۳۵

۱۹۔ ایضاً، ص:۳۲

۲۰۔ ایضاً، ص:۴۲

۲۱۔ ایضاً، ص:۳۴

۲۲۔ ایضاً، ص:۶۳

۲۳۔ ایضاً، ص:۹۱-۹۲

۲۴۔ ایضاً، ص:۱۵۵

۲۵۔ ایضاً، ص:۵۳

۲۶۔ ایضاً، ص:۲۲

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Rafia Waheed,Sach Adhora Hai Abhi,Lahore: Maktaba kamran,1996,P:51
2. Ibid,P:47
3. Ibid,P:56
4. Ibid,P:57

5. Ibid,P:57
6. Masood Qamar, Barish Bhara Thela ,Lahore:Danjh Pubications ,2021,P:119
7. Ibid,P:59-60
8. Ibid,P:223
9. Sumaira Akbar, Wajoodiyat aur Taraqi Pasandi ke khameer se utha Barish bhara thela,Lahore: Sanjh Publications,2021,P:21-22
10. Ibid,P:96
11. Ibid,P:79
12. Sumaira Akbar,Barish bhara thela,P:20
13. Ibid,P:126
14. Ibid,P:57
15. Ibid,P:83
16. Naseer Ahmad Nasır,Teesre qadam ka khamyaza,Lahore:Sanjh Publication,2013,P:110
17. Ibid,P:83
18. Ibid,P:35
19. Ibid,P:32
20. Ibid,P:42
21. Ibid,P:34
22. Ibid,P:63
23. Ibid,P:91-92
24. Ibid,P:155
25. Ibid,P:53
26. Ibid,P:22